بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

قیامِ پاکستان کے ۲۳ سال بعد اکتوبر ۱۹۷۰ء میں اس ملک کے لوگوں کو پہلی مرتبہ بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر انتخاباتِ عام کا موقع مل رہا ہے۔ یہ موقع ہماری زندگی کا ایک ایسا نازک اور فیصلہ کن مرحلہ ہے جس میں اگر ہم نے امانت، دیانت، احساس ذمہ داری، اللہ کے دین سے حقیقی اور سچی وفاداری کا ثبوت نہ دیا اور قومی اور دینی تقاضوں کے مقابلے میں علاقائی، خاندانی اور ذاتی مصلحتوں کو نظرانداز کرنے کا رویہ اختیار نہ کیا تو پورا ملک شدید خطرے میں پڑ جائے گا اور اس سے نہ صرف اہلِ پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا بلکہ پوری دنیائے اسلام میں اسلامی محاذ اور دینی تحریکات کی پوزیشن کمزور ہو گی۔ اس مرحلے پر ہم اس ملک کے بہی خواہوں کو اُن کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا چاہتے ہیں اور اُن پر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت ایک لمحہ کی غفلت یا کسی ایک آدھ معاملے میں بے تدبیری بھی کس قدر نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے یہ بات بالکل ناقابلِ تصوّر ہے کہ وہ اسلام کے سوا کسی دوسرے نظام کا علمبردار ہو اور دین کی خدمت کے سوا کسی دوسرے نظریۂ حیات کی خدمت کو اپنی زندگی کا مطلوب و مقصود قرار دے۔ اس حد تک تو تمام مسلمانوں کو بالکل یکسو ہونا چاہیے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کرنا ہر شخص کا اپنا کام ہے کہ وہ دین کی خدمت کے لیے کس جماعت کے ساتھ وابستہ ہو کر کام کرے۔ جماعت اسلامی نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ دین کی خدمت صرف اُسی سے وابستہ ہو کر کی جا سکتی ہے۔ بھلائی کا کام جو گروہ بھی کرے ہم انشاء اللہ ممکن حد تک اس سے تعاون کریں گے۔ البتہ جو لوگ اسلام سے سچی محبت اور وابستگی رکھتے ہیں اور

وہ اپنے انداز پر کوئی الگ کام بھی نہیں کرسکتے بلکہ کسی اجتماعی جدوجہد میں شریک ہو کر کام کرنا چاہتے ہیں، ان کی خدمت میں ہم جماعت اسلامی کا مختصر تعارف، اُس کے کام کرنے کا طریقہ اور اس کے مقاصد اور پھر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے اُس کی انتخابی مہم کی نوعیت بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ پوری طرح سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرسکیں۔

جماعت اسلامی کے تعارف کے لیے مختصر طور پر صرف ایک ہی بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ جماعت درحقیقت مسلمانوں کو ان کا اصل فرض یعنی اقامتِ دین یاد کرانے کے لیے اٹھی ہے اور اپنے محدود وسائل کی حد تک خود اسی فرض کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہے۔ اقامت دین یا دوسرے الفاظ میں باطل نظامہائے حیات کی جگہ نظامِ حق کا نفاذ، چونکہ ایک ہمہ گیر کام ہے اس لیے جماعت کا دائرۂ عمل بھی بڑا وسیع ہے۔ اس نے خدا کے فضل اور اس کی تائید سے جہاں غیر اسلامی افکار و نظریات کی علمی اور مؤثر انداز سے تردید کی ہے وہاں عملی اعتبار سے بھی ہر کافرانہ نظامِ زندگی کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے اور اس راہ میں ہر قسم کے مصائب اور لعن طعن اور الزام تراشیوں کو برداشت کیا ہے۔ اگر یہ جماعت محض علمی سطح پر رہ کر مختلف موضوعات پر تحقیقی کام کرتی رہتی یا اپنی سرگرمیاں محض وعظ و تلقین تک محدود رکھتی تو باطل کبھی بھی اس کے پیچھے اس طرح پنجے جھاڑ کر نہ پڑتا جس طرح کہ اب پڑا ہوا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے اثر و نفوذ سے دنیائے عمل میں باطل کا تسلط ختم ہوتا ہے اس لیے وہ اس جماعت کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے اور اسے مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے۔

جماعت اسلامی کے کام کی نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس ماحول کو نگاہ میں رکھا جائے جس میں یہ سرگرمِ عمل ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے بین الاقوامی صورتِ حال کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت بظاہر دنیا دو مختلف بلاکوں میں منقسم ہے۔ سرمایہ دارانہ جمہوری بلاک اور اشتراکی بلاک۔ لیکن اگر تہذیبی اور نظریاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ دونوں بلاک بعض

اختلافات کے باوجود ایک ہی نظریہ کے حامل اور ایک ہی تمدن کے علمبردار ہیں۔ یہ دنیا میں مادّی اقدار اور مادّی تہذیب کو غالب اور حکمران دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے درمیان فرق صرف یہ ہے کہ سرمایہ دار ممالک میں کسی قوم کی اجتماعی قوت کو سرمایہ کے ارتکاز سے متعدد مقامات پر مرتکز کرکے مذہب کو غیر مؤثر قوت بنایا جاتا ہے۔ اور اشتراکیت اس اجتماعی قوت کو ایک مقام پر جمع کرکے اسے مذہب کے خلاف بے دریغ استعمال کرتی ہے۔ ان دونوں نظاموں کے درمیان نوعیت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک مفکر کے بقول سرمایہ داری جس چیز کو پرچون کے طور پر فروخت کرتی ہے، اشتراکیت اُسے تھوک کے بھاؤ بیچتی ہے۔

ان دونوں نظاموں کی نظریاتی اساس ایک ہونے کی وجہ سے ان کے طرزِ عمل میں بھی آہستہ آہستہ یگانگت پیدا ہو رہی ہے اور بین الاقوامی معاملات میں انھوں نے ایک دوسرے کا حریف بننے کے بجائے ایک دوسرے کا حلیف بننا پسند کرلیا ہے۔ سرمایہ داری نے جمہوریت اور فرد کی آزادی کی راہ سے مادی تہذیب کی تشکیل کی ہے، اور اشتراکیت نے آمریت کی راہ سے اور فرد کی آزادی سلب کرکے مادی تہذیب کا قصر تعمیر کیا ہے۔ اب جبکہ تہذیب کے یہ دونوں قصر آمنے سامنے کھڑے ہیں، غور و فکر کرنے والے اپنی آنکھوں سے ان دونوں کے درمیان پوری ہم رنگی کا مشاہدہ کر رہے ہیں، اگرچہ ان دونوں کی تعمیر کا انداز ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ خود ان دونوں نظاموں کے علمبرداروں میں بھی آہستہ آہستہ یہ احساس ابھر رہا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایک دوسرے سے بیگانگی کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کے اندر نظریاتی اعتبار سے کوئی بُعد نہیں۔ اختلاف جو کچھ تھا وہ تدبیرِ منزل کا تھا۔ منزل دونوں کی ایک ہے، یعنی مادی تہذیب کی تشکیل اور پوری دنیا پر اس کا تسلط۔

ان دونوں نظاموں کے مابین اختلافات کی جو خبریں کبھی کبھی اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں ان کے پیچھے کسی نظریاتی اختلاف کا پتہ نہیں چلتا۔ لے دے کر ایک ہی چیز سامنے آتی ہے کہ دنیوی مفادات کی تقسیم اور بٹوارے کے معاملے میں بسا اوقات رنجشیں اور تلخیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان اس اتحاد و اتفاق کی رُوح کو سمجھنے کے لیے یوں تو حال میں کئی ایک نئی کتابیں سامنے آئی ہیں، مگر دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ایک کوپ لینڈ کی کتاب

اور دوسری سیناٹی کی کتاب - GAMES OF THE NATIONS
A CHALLENGE TO MODERNIZATION -

ان دونوں کتابوں کا اگر غور سے مطالعہ کر لیا جائے تو امریکہ اور روس اور مغرب کی دوسری قوموں کا مشرقی اقوام، خصوصاً مسلمانوں کے بارے میں طرزِ عمل پوری طرح کھل کر سامنے آجاتا ہے اور اس امر کا بالکل صاف پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مغربی تہذیب کے سارے علمبرداروں کی کوشش یہی ہے کہ مشرق کسی طرح اپنی تہذیب کو از سرِ نو زندہ کر کے کہیں اسے مغربی تہذیب کے مقابلے میں بطور ایک چیلنج کھڑا نہ کر دے۔ اس معاملے میں انہیں خاص طور پر مسلم ممالک کی طرف سے خطرہ ہے کیونکہ مسلمانوں کے سوا دنیا کی کوئی قوم اپنے پاس تہذیب و تمدن کا ایسا سرمایہ نہیں رکھتی جس کی مدد سے فکر و عمل کا ایک جامع نظامِ زندگی تشکیل کیا جا سکے۔ اس لیے امریکہ اور روس دونوں کو اس بات کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ مسلمان ممالک ان دو میں سے کسی ایک کے ہمیشہ دست نگر رہیں۔ اب ان کی پالیسی کا انداز یہ ہے کہ پہلے ایک ملک مشرق کے کسی حصے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھاتا ہے مگر جب اس کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس کے خلاف ردِ عمل پیدا ہونا شروع ہوتا ہے تو فوراً دوسرا آگے بڑھ کر خلا کو پورا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ مصر ہی کو لیجیے۔ وہاں جب انقلابی حکومت قائم ہوئی تو امریکہ ایک مؤثر قوت کی حیثیت سے ایک خاص کردار ادا کر رہا تھا، بلکہ کوپ لینڈ کے قول کے مطابق یہ سارا ڈرامہ ہی امریکہ کی شہ پر کھیلا گیا۔ مگر جب امریکہ ان توقعات کو پورا نہ کر سکا جس کے وعدے اس نے انقلاب کے علمبرداروں سے کر رکھے تھے اور ان کے اندر بددلی پھیلنے لگی اور امریکہ کے خلاف نفرت کا ایک عام رجحان پیدا ہونے لگا تو فوراً روس نے دستِ تعاون بڑھایا اور انہیں اس امر کا یقین دلایا کہ وہ ان کا حقیقی خیر خواہ ہے لہٰذا اہلِ مصر اور ان کے حلیفوں کو اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ مگر روس نے اسرائیل اور عرب کی جنگ میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے اس کے اخلاص کا سارا بھرم کھل جاتا ہے۔ اس میں جس نیم دلانہ تعاون کا مظاہرہ کیا گیا اسے دیکھتے ہوئے ایک انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس کا مقصد امریکہ اور اسرائیل کی کوئی مؤثر مخالفت یا عربوں کی بھرپور حمایت نہ تھی بلکہ یہ محض اشک شوئی تھی تاکہ عرب روس سے بددل ہو کر معاونت کے لیے کسی اور طرف رجوع نہ کریں۔

خود پاکستان کے حالات امریکہ اور روس کی اس ملی بھگت کی شہادت فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے اس ملک میں ایک مدت تک امریکہ کا غیر معمولی اثر قائم رہا اور خارجی اور داخلی تعلقات میں ہم اس کا اشارہ ابروئے چشم پاکر ہی ہر قدم اٹھاتے رہے۔ اس کے افکار و نظریات اور اس کی تہذیب و تمدن کو ہم نے اپنے ہاں رواج دینے کی کوشش کی۔ مگر ساتھ ساتھ اشتراکی نظریات کو بھی بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے پورے مواقع فراہم کیے گئے اور اس معاملے میں بھی کسی قسم کی مزاحمت نہ کی گئی۔ امریکہ اور روس دونوں اس بات سے خوش تھے کہ اس ملک میں الحاد اور مادیت سرایت کرتی جارہی ہے اور اسلامی تعلیمات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ جہاں تک مغربی اقدار کی ترویج و اشاعت کا تعلق ہے دونوں ایک دوسرے کے ہم عنان تھے، بلکہ بسا اوقات کھلے طور پر ایک دوسرے کی معاونت اور دستگیری بھی کرتے تھے۔ بہت سی ایسی انجمنیں اور ادارے اور تنظیمیں جو ثقافت اور آرٹ کے نام پر اس ملک کی اخلاقی اساس کو برباد کرنے میں منہمک تھیں ان کی امریکہ اور روس دونوں طرف سے حوصلہ افزائی کی جاتی رہی۔ مگر جب سیاسی مصالح کے نقطۂ نظر سے امریکہ نے کھل کر بھارت کی حمایت شروع کی اور پاکستان سے منہ موڑ لیا تو روس نے ہمارے اردگرد ایسی جذباتی فضا پیدا کر دی جس کے تحت ہم اس کی طرف نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔ پاک بھارت جنگ کے بعد معاہدۂ تاشقند میں جس طرح روس نے امریکہ کی خواہش کے عین مطابق پاکستان کو بعض ذلت آمیز شرائط پر بھارت سے صلح کرنے پر مجبور کیا وہ ان دونوں ملکوں کی ملی بھگت کی کھلی شہادت ہے۔ جو کام امریکہ نہ کر سکتا تھا وہ اس نے روس کے ذریعے کروایا اور اس امر کی کوشش کی کہ ہم اب روس پر اعتماد کرنا شروع کر دیں تاکہ ان دونوں بتوں سے مایوس ہو کر کہیں یکسوئی کے ساتھ اپنے خدا کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں اور اپنی دنیا خود اپنی نظریاتی اور تہذیبی بنیاد پر تعمیر کرنے کا عزم نہ کریں۔

امریکہ اور روس کے درمیان ممکن ہے سامراجی عزائم کی تکمیل کے معاملے میں کچھ اختلافات ہوں اور مادی مفادات کی تقسیم کے سلسلے میں ان کے مابین کبھی کبھی تلخی اور رنجش پیدا بھی ہو جاتی ہو، مگر

اسلام کو مٹانے اور اس کے مقابلے میں غیر اسلامی نظریات اور اقدار کو قوت بہم پہنچانے اور اسلام کے علمبرداروں کی طاقت کو توڑنے کے معاملے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ مسلم ممالک میں احیائے اسلام کے لیے جو تحریکات کام کر رہی ہیں، یہ دونوں ممالک انہیں برباد کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں اور جب بھی انہیں کسی طرف سے زک پہنچائی جاتی ہے انہیں بےحد خوشی ہوتی ہے۔ اخوان المسلمین کی تباہی پر امریکہ اور روس دونوں کو جس قدر خوشی اور مسرت ہوئی وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔

پاکستان کی جماعت اسلامی اور اس کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف آئے دن امریکی پریس، اور نام نہاد امریکی مصنفین جس قسم کا مواد پیش کرتے رہتے ہیں اُن سے اُن کے ناپاک عزائم کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انگلستان اور امریکہ میں پاکستان کے سیاسی معاشرتی اور معاشی حالات کے بارے میں متعدد کتابیں اور مضامین لکھے گئے ہیں۔ لیکن ان سب میں جماعت اسلامی کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ یہ چند تنگ نظر رجعت پسند اور دقیانوسی ملاؤں کی ایک فاشسٹ تنظیم ہے جو قوت کے بل بوتے پر معاذاللہ ایک فرسودہ اور بیکار نظامِ حیات نافذ کرنا چاہتی ہے، اس کے ماننے والوں میں اندھے جوش کے سوا کوئی چیز نہیں، دقیانوسیت ان کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ اس معاملہ میں اگر کوئی شخص ان لوگوں کے خیالات کی چند جھلکیاں دیکھنا چاہتا ہے تو اسے FREELAND ABBOT اور BINDER کی تحریروں پر ایک نگاہ ڈالنی چاہیے۔ ان سے اسے ان کے رجحانات اور عزائم کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ یہ لوگ اسلام کے اُن سارے خادموں کے دشمن ہیں جو مسلمانوں کو دینِ حق کی دعوت دیتے ہیں اور انہیں اس بات پر سرگرمِ عمل کرتے ہیں کہ وہ اس دین کی اساس پر اپنی اجتماعی زندگی کی تشکیل کریں اور پھر اس دین کو دنیا کی ایک غالب قوت بنانے کے لیے جدوجہد کریں۔ اوّل تو ان غیر مسلم قوموں کو اسلام کے نام ہی سے چڑ ہے لیکن اگر وہ مسلم قوم کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس کی کوئی صورت گوارا کرنے پر آمادگی کا اظہار بھی کرتی ہیں تو دین کی اس شکل کو برداشت نہیں کرتیں جس کا عملی نمونہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے جلیل القدر صحابہ یا دوسرے صلحائے امت میں ملتا ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر کوئی دین پسندیدہ ہے تو وہ جو مغربی تہذیب کا چربہ ہو اور جس میں اسلام کے نام پر مغربی تہذیب اور اس کی اقدار کو

فروغ دینے کا التزام ہو۔

یہ ہیں وہ حوصلہ شکن بین الاقوامی حالات جن میں جماعت اسلامی کام کر رہی ہے۔ اب ملک کے اندر دیکھیے تو یہاں متعدد گروہ اور طبقے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے پوری طرح کوشاں ہیں۔ یہ تاریخ کا ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ جو ملک دینی امنگوں کی تکمیل کے لیے — — — — — — — — — — — — — — مال و جان اور عزت و آبرو کی بے پناہ قربانیوں سے حاصل کیا گیا تھا اس میں دینِ حق کے خلاف مسلسل سازشیں کی جا رہی ہیں۔ یہ سازشیں کرنے والے تعداد میں بلاشبہ کم ہیں اور دین سے محبت رکھنے والوں کے مقابلے میں ان کی تعداد آٹے میں نمک کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ مگر چونکہ اختیارات کی باگیں شروع ہی سے اس مختصر طبقے کے ہاتھ میں رہی ہیں اس لیے اس نے انتظامیہ کی قوت اور ملکی وسائل کو اسلام کے خلاف دل کھول کر استعمال کیا ہے۔ اس طبقے نے کئی ایک محاذوں پر کام کر کے اشتراکیت کی راہ ہموار کی۔ سب سے پہلے تو اس نے دورِ غلامی کی برائیوں کو جُوں کا توں قائم رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا تاکہ عوام کے اندر پاکستان کے مستقبل کے بارے میں بددلی پیدا ہو اور وہ یہ سوچنے لگیں کہ پاکستان اور اسلام کے نام پر اُن کے ساتھ شرمناک کھیل کھیلا گیا ہے۔ ان لوگوں نے نہ صرف انگریز کے عہد کی جاگیرداریوں کو قائم رکھا بلکہ نئی جاگیرداریاں پیدا کیں اور جاگیرداروں کو اس بات کی کھلی چھٹی دی کہ وہ مزارعین کے ساتھ جس قسم کا ظالمانہ سلوک چاہیں کریں۔ یہ جاگیردار حکومت میں ایک مؤثر قوت کی حیثیت سے شریک رہے۔ ان بدترین حالات کے ساتھ ساتھ برسرِ اقتدار طبقے اسلام سے محبت کا اظہار بھی برابر کرتے رہے۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کے ذہنوں کے اندر یہ باطل خیال بٹھایا جا سکے کہ اسلام اس ظالم نظام کا مؤید اور حامی ہے اور اسے صرف اشتراکیت کے ذریعے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔

جس وقت ملک تقسیم ہوا اس وقت ہمارے نظامِ معیشت کی ہیئت اگرچہ سرمایہ دارانہ تھی مگر ابھی تک اس میں اُن برائیوں کو سر اٹھانے کے پوری طرح مواقع نہ ملے تھے جن کی وجہ سے آج اس نظام نے

غریبوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اگر اصحاب اقتدار بدنیت نہ ہوتے تو وہ عزم اور تدبیر اور تھوڑی سی محنت کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کو مٹا کر اس کی جگہ اسلامی نظامِ معیشت کی تشکیل کر سکتے تھے۔ مگر حکومت کے اندر غیر دینی عناصر نے جان بوجھ کر ملکی معیشت کی تعمیر خالص سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق کی، بلکہ یہاں سرمایہ داری کو ان سارے مفاسد کے ساتھ اُبھارا جن سے ایک لمبے تجربے کے بعد اب سرمایہ دارانہ ممالک پیچھا چھڑا چکے ہیں یا چھڑا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اس امر کا خاص طور پر اہتمام کیا کہ ملکی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے، اور یہ ہاتھ اتنے مضبوط ہوں کہ پُورے ملک کو اپنی گرفت میں لے سکیں۔ پھر نوکر شاہی، سرمایہ داری اور جاگیرداری کے گٹھ جوڑ سے غریبوں کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینے کی کوشش کی گئی اور ہر گوشۂ حیات میں اس قدر لوٹ مچائی گئی کہ عوام کے لیے جینا دوبھر ہو گیا۔ اس کے بعد یہ تخیل پیش کرنا شروع کر دیا گیا کہ اصلاحِ حال کی کوئی صورت بجز اس کے ممکن نہیں کہ ملک کے سارے وسائلِ رزق براہِ راست حکومت کی تحویل میں دے دیئے جائیں، عوام اس کے ہاتھ میں بے بس ہو جائیں اور حکومت لوگوں کو نپا تُلا چارہ مہیا کرنے کا کوئی بندوبست کر دے۔ ان لوگوں نے جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے بعض لوگوں کے ذہنوں کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ وہ یہ باور کرنے پر تیار نہیں ہو سکتے کہ عوام آزادی اور عزت کے ساتھ بھی اپنی بنیادی ضروریات فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ اب مسلسل یہی تاثر دے رہے ہیں کہ زندگی کے نظام بس دو ہی ہیں۔ یا تو تم سرمایہ داری اور جاگیرداری کے استبداد کے تحت محرومیوں کے ساتھ فاقہ مستی کی زندگی بسر کرو، یا پھر ریاست کی خدائی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال کر غلامی کی زندگی اختیار کر لو۔ اشتراکیت کے اندر عوام کو معاشی اعتبار سے کس قدر آرام ملے گا یہ ایک الگ سوال ہے مگر ان لوگوں کی ہنر مندی دیکھیے کہ انہوں نے یہ فضا پیدا کر دی ہے کہ جو اشتراکیت کا مخالف ہے وہ لازمی طور پر عوامی مفاد کا دشمن، غریبوں اور ناداروں کا دشمن اور سرمایہ داری اور جاگیرداری کا حامی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اشتراکیت کے علاوہ جس نظام کی بھی حمایت کی جائے وہ لازمی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت اور غریب دشمنی ہی ہے۔

جماعت اسلامی سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کو لعنت سمجھتی ہے اور ایک بار نہیں بلکہ بار بار اس کا برملا اظہار کر چکی ہے مگر یہ بے دین طبقے برابر یہ کہتے چلے جا رہے ہیں کہ یہ جماعت سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی ایجنٹ ہے۔ حالانکہ اس ملک میں سرخ فوج کے ہراول دستے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں پر مشتمل ہیں، بلکہ اس فوج کی کمان بھی ان دونوں طبقوں ہی کے ہاتھ میں ہے مگر اس طبقے نے اپنی ظالمانہ کارروائیوں کو چھپانے کے لیے بڑی عیاری کے ساتھ عوام کے اندر یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب تک وہ اپنے حقوق ملکیت سے دستبردار ہو کر اشتراکی آمریت کو پوری طرح اپنے آپ پر مسلط نہیں کر لیتے اور روٹی کے ایک ایک نوالے کے لیے اپنے آپ کو اس کا دست نگر نہیں بنا لیتے اس وقت تک ان کی بگڑی نہیں بن سکتی۔ اس طبقے کا اشتراکیت کے حق میں پرچار اور سرخ انقلاب برپا کرنے کے لیے اس کی عملی جدوجہد کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ جو لوگ ملک کے وسائل رزق پر اس وقت مسلط ہیں وہ ان پر اس سے کہیں زیادہ مضبوط گرفت کے ساتھ قابض ہو جائیں اور عوام میں اتنی سکت اور ہمت بھی باقی نہ رہے کہ وہ ان کے ظلم و استبداد کے خلاف لب کشائی کر سکیں۔ اشتراکیت کے ساتھ اس سرمایہ دار طبقے کی غیر معمولی دلچسپی عوام کے مفاد کی خاطر نہیں بلکہ اپنے لیے غیر مسئول اقتدار کے حصول کی آرزو کا نتیجہ ہے۔ یہ طبقہ چاہتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے عوام کو اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنائے اور اس کے اس ظلم کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہونے پائے۔ وہ لوگ جو انسانی نفسیات سے قطعاً نابلد اور ناواقف ہیں وہ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی اصل خواہش مال و دولت کا حصول ہے۔ درحقیقت ایک دنیا پرست انسان کی سب سے بڑی خواہش اپنی خدائی اور کبریائی کا اظہار ہے۔ وہ دولت اور مال اس لیے چاہتا ہے کہ اسے اپنی خدائی کے قیام میں ان مادّی وسائل سے مدد ملتی ہے۔ انسان کا نفسِ امارہ سب سے زیادہ تسکین غیر مسئول اقتدار میں پاتا ہے کیونکہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد وہ ہر خواہش اور تمنا کو بلا خوف و خطر پورا کر سکتا ہے۔ اقتدار کے مقابلے میں دولت کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں۔ چنانچہ دیکھیے کہ ہمارے ملک کے اکثر و بیشتر صنعت کار، تاجر اور زمیندار ہمیشہ اس امر کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ ان کے بیٹے اور بھتیجے کس طرح اعلیٰ سرکاری افسر بن جائیں۔ حالانکہ معاشی اعتبار سے

اُن کے لیے ان سرکاری عہدوں میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ وہ اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو ان عہدوں پر اس لیے فائز دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان عزیزوں کی وساطت سے ملک کی انتظامیہ میں ان کا اثر و رسوخ بڑھے گا اور وہ ان کی مدد سے معاشرے پر تسلط قائم کر سکیں گے۔ انسان کی اصل خواہش تو دراصل اقتدار کا حصول ہے۔ دولت چونکہ اس کے حصول کا ایک ذریعہ ہے اس لیے وہ دولت کی تمنا کرتا ہے۔ اس وقت ملک کے اندر نوکر شاہی، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے اس اشتراک نے نچلے طبقوں کے لیے زندگی کو ایک دردناک عذاب بنا دیا ہے۔ ایک نہایت ہی محدود سا طبقہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے اور ملک کی عظیم اکثریت کے لیے روح اور جسم کے رشتے کو برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ دولت کی اس غیر عادلانہ تقسیم کی وجہ سے ملک کی سیاسی حالت ابتر ہوگئی ہے۔ سرمایہ دار اور جاگیردار طبقہ اپنی دولت اور اثر و رسوخ کے بل بوتے پر تختِ اقتدار پر براجمان ہو جاتا ہے اور پھر اس اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید دولت سمیٹتا ہے۔ یہ ایک شیطانی چکر ہے جس میں پوری قوم گرفتار ہے۔ دولت سے اقتدار ہاتھ آتا ہے اور اقتدار سے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوتا ہے۔

یہ ہیں وہ مختصر داخلی حالات جن میں جماعت اپنا انتخابی منشور پیش کر رہی ہے۔

منشور کے متعلق کوئی بات کرنے سے پیشتر دو باتوں کا ذکر انتہائی ضروری ہے۔ پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کسی پارٹی کا منشور اس کا نصب العین نہیں ہوتا بلکہ نصب العین تک پہنچنے کا درمیانی مرحلہ ہوتا ہے۔ منشور کی حیثیت منزل کی نہیں بلکہ تدبیرِ منزل کی ہے اور اسی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینا چاہیے۔ منشور کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر پارٹی عوام کو نہایت واضح طور پر اس امر سے آگاہ کرے کہ اگر وہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے عنانِ اقتدار اُسے سونپ دیں تو اقتدار کی معینہ مدت کے اندر وہ منشور میں دیے ہوئے پروگرام کی تکمیل کرنے کی کوشش کرے گی اور اس طرح قوم کو اس منزل کے قریب تر کر دے گی جو اس کے نزدیک اس کی اصل منزل ہے۔

دوسرے کسی منشور کی قدر و قیمت کو جانچنے کا معیار وہ حکمتِ عملی ہے جس کی بنیاد پر اسے مرتب

کیا جاتا ہے۔ اچھا منشور بے سروپا باتوں، خوش کن وعدوں، ناقابلِ عمل اسکیموں اور پروگراموں سے ترتیب نہیں پاتا بلکہ اس میں ہر قدم پر یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اس وقت جو حالات ملک میں موجود ہیں اُن کے اندر کس انداز کی تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں جن کی مدد سے وہ قوم اپنے حقیقی نصب العین سے قریب ہو جائے۔ جو لوگ کسی قوم کے سیاسی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی حالات کو یکسر نظر انداز کر کے کوئی نہایت ہی جاذبِ نظر منشور عوام کے سامنے پیش کر دیتے ہیں وہ درحقیقت ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں۔ کوئی منشور خلا میں تو مرتب نہیں ہو سکتا بلکہ اجتماعی حالات، ان کی نوعیت اور دقتوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے اس میں ہر قدم پر اس امر کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ملک میں اس وقت جو صورتِ حال موجود ہے اُسے کس حد تک کشت و خون کے بغیر نصب العین کی روشنی میں بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

ان دونوں باتوں کو نگاہ میں رکھ کر اب منشور کا جائزہ لیجیے۔ اس منشور میں پہلے مرحلہ پر اس امر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ پاکستان کی نظریاتی بنیاد کو مضبوط کیا جائے، اس کی وحدت اور سالمیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے اور جو قوتیں اس کی نظریاتی بنیادوں کو نقصان یا اس کی سالمیت کو صدمہ پہنچانے کا عزم رکھتی ہیں ان کے راستے میں پوری طرح مزاحمت کی جائے۔ پھر مثبت طور پر اس بات کی پوری پوری کوشش کی جائے کہ عوام کے اندر دینی رجحانات زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں اور وہ فکر و عمل اور جذبہ و احساس کے اعتبار سے مسلمان بنیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے جماعت اسلامی نے اپنے منشور میں اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ اگر برسرِ اقتدار آ گئی تو نظامِ تعلیم کو اس نہج پر مرتب کرے گی جس میں ابتدا سے لے کر انتہائی مدارج تک ہر علم اور فن کی تعلیم میں خدا پرستانہ نظریات سمویا ہوا ہو۔ تعلیمی اداروں کے اندر اخلاقی تربیت کا بھی انتظام کیا جائے گا، اساتذہ کے انتخاب میں صرف ان کی تعلیمی اسناد کو ہی ملحوظِ خاطر نہ رکھا جائیگا بلکہ ان کی سیرت اور کردار کے بارے میں بھی اس امر کا اطمینان کیا جائے گا کہ وہ نوخیز نسلوں کی تربیت کرنے کی پوری طرح اہلیت رکھتے ہیں۔ پھر انگریزی زبان کی جگہ قومی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنا کر

طلباء کو ذہنی مرعوبیت سے بھی نجات دلائی جائے گی تاکہ انہیں اس قابل بنایا جاسکے کہ وہ انگریزی کی وساطت سے آتے ہوئے مغربی افکار پر ایمان لانے کے بجائے اسلامی نظریات کے علمبردار بنیں اور ذہنی غلامی سے نکل کر ایک آزاد مملکت کے آزاد شہری کی حیثیت سے غور و فکر کریں۔

اس مقصد کے تحت جماعت اسلامی نے اپنے منشور میں اس عزم کا بھی اظہار کیا ہے کہ پبلک اسکول سرکاری خرچ پر قائم کرنے اور چلانے کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔ اس وقت تعلیمی میدان میں یہ افسوسناک صورتِ حال درپیش ہے کہ تعلیمی مد کی ایک اچھی خاصی رقم غیر ملکی افکار و نظریات اور عادات و اطوار کے ان گہواروں پر صرف کی جا رہی ہے اور ان کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ مسلمان قوم کے اندر برابر ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جاتا رہے جو رنگ اور نسل کے اعتبار سے تو پاکستانی ہو مگر افکار و تصورات، جذبات و احساسات اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے مغربی ہو۔ اور پھر انگریزی زبان کی برتری قائم رکھ کر حکومت کا نظم و نسق اسی طبقے کے ہاتھ میں رکھا جائے تاکہ یہ سابق انگریز حکمرانوں کی جانشینی کا حق ادا کرتا رہے۔ انگریزی حکومت جو کام انگریز نوکر شاہی سے لیا کرتی تھی، وہی کام اب پاکستانی "صاحب بہادروں" سے لیا جا رہا ہے اور اسی مقصد کے لیے ملک میں پبلک سکولوں کا جال بچھایا گیا ہے۔ جماعت اسلامی تعلیمی میدان میں اس دو عملی کو ختم کرنے کی کوشش کرے گی اور نئی نسلوں کو اس انداز سے تعلیم دینے کا بندوبست کرے گی کہ اس کے اندر طبقاتی تقسیم پیدا نہ ہونے پائے اور سارے ہونہار بچوں کو حصولِ تعلیم کے لیے ایک جیسے مواقع میسر آئیں اور وہ فکر و احساس کا مشترک سرمایہ لے کر درسگاہوں سے نکلیں۔

اس منشور میں جماعت اسلامی نے اس حقیقت کو بھی اپنی نگاہ میں رکھا ہے کہ تعلیمی درسگاہوں اور ماحول کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا ہو تاکہ جب طلبا تعلیم سے فارغ ہو کر معاشرے میں قدم رکھیں تو وہ اپنے سامنے ایک بالکل اجنبی ماحول نہ پائیں بلکہ انہیں یہ احساس ہو کہ درسگاہوں کے اندر انہوں نے محدود پیمانہ پر جو دینی اور اخلاقی تربیت پائی ہے معاشرتی ماحول اسے جلا دینے اور اس میں مزید نکھار پیدا کرنے کے پورے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اسی وجہ سے جماعت نے ماحول کو اسلامی افکار و احساسات

سے معمور کرنے کے لیے بعض بڑی مؤثر تدابیر پیش کی ہیں۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ زور اقامتِ صلوٰۃ کو فروغ دینے اور احترامِ رمضان کو قائم رکھنے پر دیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے کسی مسلمان قوم کے تمکن فی الارض کے ساتھ اس پر اقامتِ صلوٰۃ کی جو بنیادی ذمہ داری عائد کی ہے اس کی وجہ یہی ہے۔ قیامِ نماز کے بارے میں اس کے احساسِ ذمہ داری ہی سے اس کے دینی مزاج کی نشاندہی ہوتی ہے اور عوام کے اندر یہ شعور بیدار ہوتا ہے کہ یہ حکومت اسلامی تعلیمات کو نافذ کرنے کے لیے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ نماز کے اجتماعی نظام سے پورے ماحول میں دینداری پیدا ہوتی ہے اور بہت سی برائیاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

نماز کے علاوہ جماعت اسلامی نے اپنے منشور میں اس عزم کا بھی اظہار کیا ہے کہ وہ اسلامی عقائد، احکام اور تعلیمات سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے تمام ممکن تدابیر اختیار کرے گی اور قانون و انتظام کی تمام طاقتوں اور حکومت کے تمام ذرائع و وسائل سے کام لے کر معاشرے کو ہر قسم کے فواحش اور اخلاقی مفاسد سے پاک کرنے کی کوشش کرے گی اور ان اسباب کا قلع قمع کرنے پر زور صرف کرے گی جن سے معاشرے میں جرائم اور اخلاقی برائیوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں بے حیائی پھیلانے والی اور عفت و پاکدامنی کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی خاندانی منصوبہ بندی کی پوری اسکیم بھی ختم کر دی جائیگی، اور ملک کے وسائل پر روز افزوں آبادی کے دباؤ کا علاج وسائل کو مزید ترقی دینے سے کیا جائے گا۔

اس منشور میں معاشی پالیسی کے بنیادی مقاصد یہ بیان کیے گئے ہیں:

— عادلانہ تقسیمِ دولت،

— دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے سے روکنا،

— ظلم اور ناجائز استحصال کی تمام صورتوں کا خاتمہ،

— تمام لوگوں کے لیے مساوی مواقع کی فراہمی،

— معاشی ترقی کے فوائد سے ملک کے تمام لوگوں کو مستفید ہونے کا موقع دینا۔

۔ ملک سے غربت کا خاتمہ

ــــــ اور اس امر کی ضمانت کہ بنیادی ضروریاتِ زندگی سے کوئی باشندہ محروم نہ رہے۔ ان مقاصد پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معاشی میدان میں جماعت اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ ایک طرف تو پاکستان کے عوام سرمایہ داری اور جاگیرداری کی لعنتوں اور مصائب سے نجات حاصل کر سکیں اور دوسری طرف اشتراکیت کی صورت میں سرمایہ دارانہ آمریت سے بھی محفوظ رہیں۔ انہیں اس میدان میں ایسے مواقع فراہم کیے جائیں کہ آزادی کے ساتھ اپنی عزتِ نفس کا سودا کیے بغیر معاشی لحاظ سے اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کریں۔ وہ اگر ایک طرف سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ اور جاگیرداروں کے جبر و استبداد سے مامون ہوں تو دوسری طرف اشتراکیت کی بے حس جکڑ بندیوں سے بھی آزاد رہیں تاکہ حکومت کی غلط پالیسیوں پر بلا خوف و خطر ٹوک سکیں اور اُسے اپنی خواہش کے مطابق تبدیل کر سکیں۔

اس سلسلے میں جماعت اسلامی کے منشور کے اندر دو واضح پروگرام پائے جاتے ہیں۔

ایک پروگرام میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ دولت کے ارتکاز کو روکا جائے تاکہ ملکی دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے نہ پائے اور ملک کی عام آبادی پیدائشِ دولت سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکے۔

دوسرے، ملک کے بے بس اور مفلوک الحال طبقے کی بے بسی کو دور کر کے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ سرمایہ دار طبقے اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُس کی محنت سے ناجائز انتفاع نہ کر سکیں۔ پسے ہوئے طبقوں کی داد و ستد کی قوت کو بڑھا کر انہیں اس قابل بنایا جائے کہ وہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنے حق کا مطالبہ کر سکیں اور محض اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے اپنے حق سے محروم نہ رہیں۔ معاشی عدل کے قیام کے لیے یہ پروگرام انتہائی ضروری ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے اس منشور میں اُن تمام نئی اور پرانی جاگیرداریوں کو ختم کرنے کا عزم کیا گیا ہے جو کسی دورِ حکومت میں اختیارات کے ناجائز استعمال سے پیدا ہوئی ہوں۔ اسی طرح صنعت و تجارت میں اجارہ داریوں اور کاروباری جتھہ بندیوں کو توڑنے، بڑی بڑی صنعتوں اور تجارتوں کی ملکیت کو عام لوگوں میں پھیلانے کا التزام کیا گیا ہے تاکہ

دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کے بجائے عوام میں بلا روک ٹوک پھیلے اور کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقے کے ناجائز تسلط یا دباؤ کی وجہ سے اپنے جائز حقوق سے تہی دست نہ رہے۔ پھر اس منشور میں اس امر کی تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ سود، سٹہ، جُوا، بیوعِ فاسدہ، ناجائز ذخیرہ اندوزی اور کسبِ مال کے دوسرے تمام ان طریقوں کو قانوناً منسوخ کر دیا جائے گا جنہیں اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ دولت حاصل کرنے کے صرف حلال طریقے باقی رہنے دیئے جائیں گے اور اب تک ناجائز اور حرام طریقوں اور ایک فاسد نظام کی غلط بخشیوں سے دولت کا جو انتہائی ظالمانہ ارتکاز ہو چکا ہے اس کے استیصال کے لیے اسلامی اصولوں کے مطابق تمام ان لوگوں کا سختی کے ساتھ محاسبہ کیا جائے گا جن کے پاس دولت کا غیر معمولی اجتماع پایا جاتا ہے اور اس حرام دولت کو واپس لینے کے لیے تمام مناسب انتظامی اور قانونی تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

معاشی عدل کے قیام کے لیے یُوں تو جماعت نے اور بھی بہت سی تدابیر اپنے منشور میں درج کی ہیں لیکن اگر صرف مندرجۂ بالا چند تدابیر کو اختیار کیا جائے تو سرمایہ دارانہ نظام اپنے سارے مفاسد کے ساتھ چند سالوں میں ختم ہو سکتا ہے۔ جاگیرداریوں کے خاتمے سے نہ صرف مزارعین کی ایک بڑی تعداد ظلم و استبداد سے بچائی جا سکتی ہے بلکہ اُسے زمینوں کا مالک بنا کر اس کی معاشی حالت کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ پھر جماعت نے قدیم املاک کے معاملے میں عارضی طور پر زمین کی ملکیت کی جو ایک خاص حد مقرر کی ہے اس نے جاگیرداری کا پُوری طرح سدِباب کر دیا ہے۔ اسی طرح صنعت و تجارت میں جماعت کی مجوزہ تدابیر بڑے دُور رس نتائج کی حامل ہیں۔ وہ لوگ جو سرمایہ دارانہ نظام کے ارتقاء اور اس کے مفاسد کی صحیح نوعیت کو جانتے ہیں ان سے یہ بات مخفی نہیں کہ یہ نظام پیدائشِ دولت کے غیر اخلاقی اور غیر انسانی طریقوں کی مدد سے پروان چڑھا ہے۔ اگر کسبِ مال کے ان سارے راستوں کو بند کر دیا جائے جنہیں شریعتِ اسلامی نے حرام قرار دیا ہے تو اس نظام کی رفیع الشان عمارت خود بخود پیوندِ خاک ہو جائے گی۔ سرمایہ داری اور حرام خوری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر حرام خوری کو روک دیا جائے تو سرمایہ داری خود دم توڑ دیگی۔

اس ضمن میں جماعت نے معاشی اعتبار سے مفلوک الحال طبقوں کو اٹھانے کے لیے بھی متعدد تدابیر پیش

(باقی صفحہ ۶۳ پر)